OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 2, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

مولانا وحید الدین خانؒ کا نظریہ امن: تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Peace Ideology of Maulana Wahid-Ud-Din Khan

Muhammad Irfan
Lecturer, Dept. of Islamic Thought and Culture, National University of Modern Languages (NUML), Lahore Campus

Hafiz Muhammad Naeem Saiful Islam
Lecturer, Islamic Studies, UET Main Campus Lahore.

Abstract

KEYWORDS:

Peace ideology, Maulana Wahid-Ud-Din Khan, Establishing Peace, Modern era

Date of Publication: 30-12-2023

Peace is the desire of every human being regardless of religion. Every person wishes to have an atmosphere of peace wherever he is living. Peaceful world is closely related to inter-religious harmony. The most important need of the modern era is to discover a workable formula for harmony between different religions. World peace largely depends on inter-religious harmony. According to Maulana Wahid-Ud-Din Khan, three ideas are generally presented to establish peace in the world. The secular theory, the theory of unity of religions and the Islamic theory. The secular theory is definitely unworkable. The reason for this is that, for this we will have to accept a new interpretation of religion and the people of the religions did not accept this new interpretation. The theory of unity of religions is not viable because the academic and historical study of human history shows that the mutual differences between religions are not only apparent but real. For example, some religions believe in monotheism and some religions believe in monism. How is it possible that we try to achieve results by imposing on society a proposal which nature does not accept? After the failure of the secular ideology and the ideology of unity of religions, Islam's ideology of peace is inevitable. According to Islam, the real solution for establishing peace in the world is that the followers of every religion stick to their religion and respect other religions. People of every religion should not leave their religion and should not tease the religion of others, i.e. should agree on disagree. According to Maulana, festivals also play an important role in the establishment of a peaceful society. Festivals are related to tradition and society rather than religion. One part of festivals is related to the belief and history of the group, while the other part is general, which is a source of entertainment for the entire society and the entire humanity.

CC BY NC ND

امن کی خواہش

غور و فکر کی صلاحیت اور امن کی خواہش انسانیت کا مشترکہ خاصہ ہے۔ لاکھوں مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو عقل اور اس کے نتیجے میں امن کی خواہش سے نوازا ہے۔ جہاں تک عقل کی بات ہے تو ہر انسان اور ہر مذہب کے ماننے والوں کا عقل و دانش کا معیار ایک نہیں ہوتا۔ نیز عقل کے درجات بھی مختلف ہیں اس لیے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ اختلافات کا موجود ہونا کوئی بری بات نہیں بلکہ یہ انسانی عقل و دانش کے مسلسل استعمال کی علامت ہے۔ البتہ اختلاف کا اظہار مہذب انداز میں ہونا چاہئے۔ یہ اظہار جب اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے سماجی امن تباہ و برباد ہوتا ہے۔

جہاں تک امن کی بات ہے تو امن بلا تفریق مذہب ہر انسان کی خواہش ہے۔ ہر مذہب کا ماننے والا اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ وہ جس ملک میں رہ رہا ہے اسے وہاں امن کا ماحول میسر ہو۔ پر امن ماحول اور امن کا قیام دور جدید کا اہم مسئلہ ہے۔ عالمی طاقتوں کے نارواروںیے، اقوام متحدہ اور دیگر مختلف تنظیموں کے معاہدوں نے کمزور ممالک کو جکڑ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کے عوام طاقتور ممالک سے ٹکرانے سے نہیں کتراتے اور اس سے دنیا کا پر امن ماحول خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

پر امن دنیا کی تعمیر آج کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور اس کا بہت گہرا تعلق بین المذاہب ہم آہنگی ہے۔ دور جدید کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے مابین ہم آہنگی کا کوئی قابل عمل فارمولا دریافت کیا جائے۔ بین المذاہب ہم آہنگی پر ہی بڑی حد تک عالمی امن کا انحصار ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سماجی استحکام اور پر امن ماحول سب سے اہم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کی تھی۔ حتیٰ کہ اسلام کے نزدیک اگر یک طرفہ صبر کے ذریعے امن قائم ہو سکتا ہو تو بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ اس کی ایک واضح مثال صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ صلح حدیبیہ حقیقت میں دس سال کا امن معاہدہ تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے امن کا یہ معاہدہ جنگجو دشمن کی شرائط کو یک طرفہ طور پر منظور کر کے حاصل کیا تھا۔

قیام امن کی ضرورت کے اعتراف کے ساتھ سوال یہ ہے کہ سماج میں امن کا ماحول قائم کیسے کیا جائے۔ دور جدید میں امن کو سبوتاژ کرنے والے عوامل میں سے سب سے بڑا عامل مذہب ہے۔ لوگ اپنے مذہب کی من پسند تشریح کی بنیا پر دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف مذاہب سے وابستہ

مفکرین نے متنوع حل پیش کیے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ حل ایک طرف فطرت کے خلاف ہیں اور دوسری طرف عملاً ان کا نفاذ بھی ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ قیام امن کے لیے مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کی بجائے اہل مذہب کے درمیان ہم آہنگی کا ماحول پیدا کیا جائے۔ مذاہب کے درمیان ہم آہنگی ایک ناممکن چیز ہے کیونکہ ہر مذہب کی تعلیمات اور عقائد مختلف ہیں۔ ہر مذہب کے ہیرو اور ولن مختلف ہیں اس لیے مذاہب کے مابین ہم آہنگی ممکن نہیں البتہ اہل مذہب کے رویوں میں اعتدال اور ہم آہنگی پیدا کر کے دنیا میں امن کا ماحول قائم کیا جاسکتا ہے۔

قیام امن کے تین نظریات

مولانا وحید الدین خانؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں امن کا ماحول قائم کرنے کے لیے مذاہب کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کے عموماً تین نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو نظریات ایسے ہیں جن میں مذہب کی نئی تشریح پر زور دیا جاتا ہے۔ مثلاً بعض مذاہب کے اسکالرز نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اگر مذاہب کی نئی تشریحات کر لی جائیں اور مشترکات پر اتفاق کر لیا جائے تو اس سے از خود سماج میں قیام امن کے لیے درکار مذہبی آہنگی کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ دوسرا نظریہ وحدت ادیان کا ہے۔ ان دونوں نظریات کو کچھ اس طرح سمرائز کیا جا سکتا ہے سیکولر نظریہ اور وحدت ادیان کا نظریہ۔ مولانا کہتے ہیں کہ یہ دونوں نظریات غیر فطری اور مصنوعی ہیں۔ قرآن میں اسلام کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دین فطرت ہے چنانچہ اسلام ہر مسئلہ کے فطری حل کو پسند کرتا ہے۔[1]

مولانا ان دونوں نظریات کا تجزیہ و تحلیل کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ دنیا میں قیام امن اور سماج میں مذہبی ہم آہنگی کے لیے جو سیکولر حل ہے اس تعبیر کے مطابق مذہب انسانوں کا ذاتی معاملہ قرار پاتا ہے۔ اس تعبیر کے مطابق ہر شخص کا عقیدہ مختلف ہو سکتا ہے، اس کے نظریات مختلف ہو سکتے ہیں اور ان سب کا اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس تعبیر کے مطابق اس اصول کو ماننے کے بعد تمام مذاہب کے مابین جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مذہب محدود طور پر ایک نجی معاملہ ہو گا اور صرف افراد کی پرائیویٹ زندگی میں باقی رہے گا۔ سماج کی اجتماعی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہو گا اور جب اجتماعی زندگی میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہو گا تو وہ اجماعی زندگی اور دنیا میں قیام امن کے لیے کوئی مسئلہ بھی نہیں بنے گا۔[2]

مولانا کہتے ہیں کہ یہ حل یقینی طور پر ناقابل عمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے ہمیں مذہب کی نئی تعبیر ماننے پڑے گی اور اہل مذاہب نے اس نئی تعبیر کو قبول ہی نہیں کیا۔ وہ اس نئی تشریح کو قبول کرنے کے

لیے تیار ہی نہیں اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے کہ وہ اس کو مان لیں۔ پھر جس تشریح کو اہل مذہب ماننے کے لیے تیار نہ ہوں اس کو عملی طور پر کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ خصوصا اسلام تو اس کو ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں کیوں کہ اسلام کے نزدیک دین کا تعلق انسان کے سارے معاملات سے ہے نہ کہ محض ذاتی عقائد سے۔[3]

مولانا وحید الدین خانؒ اس طرز فکر پر دوسری قدغن یہ لگاتے ہیں کہ یہ طرز فکر سرار غیر فطری ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ ایک نقطہ نظر کو سچا سمجھے اس کے باوجود وہ نقطہ نظر صرف اس کے پرائیویٹ دائرہ میں محدود رہے۔ جس طرح رنگ پانی کے گلاس میں ڈالنے کے بعد ضرور پھیلتا ہے اسی طرح جب کسی ایک مذہب کو سچامان لیاجائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا رنگ انسان کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو۔ یہ رنگ ضرور پھیلے گا اور وہ انسانوں کی نجی زندگی سے نکل کر اجتماعی زندگی تک پہنچنا چاہے گا۔ لہذا اس تعبیر کے تحت ممکن نہیں کہ وہ پر امن سماجی ماحول قائم کیا جاسکے جس کو مذہبی آہنگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دنیامیں قیام امن کے لیے دوسرا نظریہ وحدت ادیان کا ہے۔ وحدت ادیان کا نظریہ ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تمام مذاہب ظاہری فرق کے باوجود حقیقت میں ایک ہیں۔ تمام مذاہب ایک مشترک منزل کی طرف جانے کے متعدد راستے ہیں۔ اس طرح مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو مذہبی یکسانیت کا یقین دلایا جائے اور جب یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے تو اس کے بعد تمام اختلافات مٹا کر سماج میں پر امن ماحول قائم کر دیا جائے ۔ مولانا کہتے ہیں کہ یہ نکتہ نظر اس لیے قابل عمل نہیں کہ انسانی تاریخ کا علمی اور تاریخی مطالعہ بتاتا ہے کہ مذاہب کا باہمی فرق محض ظاہری نہیں بلک حقیقی ہے۔ مثلا اگر ہم مذاہب کے بنیادی عقائد کو دیکھیں تو خدا کا عقیدہ جو ایک بنیادی مذہبی عقیدہ ہے، اس کے سلسلہ میں بعض مذاہب توحید الٰہ (monotheism) کے قائل ہیں اور بعض مذاہب وحدت وجود (monism) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اوران دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مولانا وحید الدین خانؒ لکھتے ہیں:

> تجربہ بتاتا ہے کہ "تمام مذاہب ایک ہیں" کی بنیاد پر ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش بار بار کی گئی ہے اور ہر بار ناکام ہوئی۔ اکبر (1605-1542) نے دین الٰہی کے نام پر اس کو طاقت کے ذریعہ نافذ کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر بھگوان داس نے اسی کام کو عملی طور پر کیا اور اپنی عمر کا بہترین حصہ صرف کر کے ایک ہزار صفحہ پر مشتمل ایک کتاب

(Essential Unity of All Religions) تیار کی۔ مہاتما گاندی (1879-1948) نے "رام رحیم ایک ہے" کے نعرہ پر اس کو ملک گیر تحریک کے ذریعہ پھیلانا چاہا مگر ہر ایک اپنے مقصد میں مکمل طور پر ناکام رہا۔[4]

یہ کیسے ممکن ہے کہ جس تجویز کو فطرت قبول نہ کرے اس کو ہم زبردستی سماج پر نافذ کر کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس قسم کی تجاویز کسی کی ذاتی خواہش تو ہو سکتی ہیں مگر سماج میں ان کا عملاً نفاذ ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس قسم کی تجویز ایک اچھا تخیل تو ہو سکتا ہے مگر وہ زیر بحث مسئلہ کا ایک اچھا حل نہیں ہوتا۔

قابل عمل نظریہ

مولانا کہتے ہیں کہ مذکورہ دونوں نظریات کی ناکامی کے بعد لا محالہ ہمارے پاس صرف تیسری صورت بچتی ہے اور وہ ہے اسلام کا نظریہ امن ۔ اسلام کے نزدیک دنیا میں قیام امن کے مسئلے کا اصل حل یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب پر قائم رہنے کے ساتھ دوسرے مذاہب کا احترام کریں۔ ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کو چھوڑیں نہیں اور دوسرے کے مذہب کو چھیڑیں نہیں ۔ وہ اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کے ساتھ دوسروں کے اعتقادات کو برداشت کرنے کی روش اختیار کریں۔ اس کو مختصر لفظوں میں یوں کہاں جا سکتا ہے کہ اختلاف پر اتفاق کر لیا جائے۔ اسلام اس نظریہ کی حمایت کرتا ہے اور یہی نظریہ حقیقت پسندانہ بھی ہے اور عملاً اس کا نفاذ بھی ممکن ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ دنیا میں قیام امن کے لیے مذاہب کے مابین ہم آہنگی ممکن نہیں البتہ اہل مذاہب کے مابین ہم آہنگی ممکن ہے اور اس پریکٹکل اپروچ کو اپناتے ہوئے سماج کو پر امن بنایا جائے۔ یہ بات حقیقت پسندانہ بھی ہے اور قابل عمل بھی کیونکہ اس میں مختلف مذہبوں میں نظریاتی وحدت نہیں بلکہ مختلف مذہبی گروہوں میں عملی وحدت کی بات کی جاتی ہے۔ اور یہ کوئی تخیلاتی بات نہیں بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی افادیت تاریخ کے تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے اور وہ پوری طرح قابل عمل ہے۔ جب بھی کسی مشترک سماج میں امن قائم ہوا تو وہ ہمیشہ اختلاف کے باوجود اتحاد کی بنا پر قائم ہوا نہ کہ اختلاف کے بغیر اتحاد کی بنا پر۔[5]

مولانا کہتے ہیں کہ اس پریکٹکل اپروچ کی مثالیں ہمیں مغربی معاشروں میں بھی ملتی ہیں۔ برطانیہ ایک ایسا ملک ہے جس میں ہر مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہاں قیام امن کے لیے یونی کلچر لزم کی

تحریک چلائی گئی مگر وہ پوری طرح ناکام ہوئی۔ اس ناکام تجربہ کے بعد برطانیہ کے ذمہ داروں نے وحدت کلچر کے نظریہ کو چھوڑ کر ملٹی کلچر لزم کو رواج دیا چنانچہ اب وہاں ملٹی کلچر زم پوری طرح کامیاب ہے حتی کہ برطانیہ پوری مغربی دنیامیں قیام امن، مذہب اور کلچر کی ہم آہنگی کا ایک نمونہ بن گیا ہے۔[6]

اسی طرح جنگ عظیم دوئم کے بعد امریکہ میں یہ نظریہ اختیار کیا گیا کہ قیام امن کے لیے امریکی سماج میں تمام لوگوں کو ایک ہی کلچر پر ڈھال دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے حکومت کے تحت ایک زبردست مہم چلائی گئی جس کو امریکی پنا (Americanization) کہا گیا مگر یہ کوشش مکمل طور پر ناکام ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد امریکہ کے ذمہ داران کو امرکینائزیشن کا تصور چھوڑنا پڑا۔ اب امریکہ ہر کلچر کو آزادی دینے کا حامی ہے۔ پہلے اگر وہاں یونی کلچر زم کا نظریہ تھا تراب وہاں ملٹی کلچر لزم کا نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے۔[7]

مولانا وحید الدین خانؒ مغربی معاشروں کی ان مثالوں سے واضح کرتے ہیں کہ اختلاف کے باوجود اتحاد کے اصول کو مستقل طور پر عمل میں لا کر امن کا ماحول قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی سادہ فطری تدبیر یہ ہے کہ مشترک مفاد کی خاطر ہر گروہ اس اصول کو مان لے کہ پرامن دائرہ میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے مگر جارحیت کے دائرہ میں کسی کو آزادی حاصل نہیں۔ ہر ایک اپنے عقیدہ کے مطابق، قول و عمل کے لیے آزاد ہے مگر ہر ایک کی آزادی وہاں ختم ہو جاتی جہاں اس کی آزادی دوسرے کو عملی نقصان پہنچانے کا باعث بن رہی ہو۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی مثال اور ایمان کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہے جو کھونٹے کے ساتھ رسی میں بندھا ہوا ہو۔ وہ گھومتا ہے اور پھر اپنے کھونٹے کی طرف واپس آ جاتا ہے

مولانا وحید الدین خانؒ کہتے ہیں کہ وسیع تر انطباق کے اعتبار سے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کو دائرہ امن کی رسی سے بندھے رہنا ہے۔ جب کوئی شخص اس رسی سے دامن چھڑا کر اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کے اعمال سے دوسروں کو نقصان پہنچے تو گویا اس کی حد آ گئی۔ اس کے بعد اس آدمی پر لازم ہو ہے کہ وہ امن کی رسی کی طرف واپس آ جائے۔[8]

مولانا کہتے ہیں کہ یہ قانون صرف انسانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ پوری فطرت کا قانون ہے جس پر پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ وسیع خلا میں بے شمار متحرک ستارے ہیں مگر وہ دوسرے ستاروں سے ٹکرائے بغیر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ جنگل کے جانور ہر وقت سرگرم رہتے ہیں مگر حقیقی فطری ضرورت کے سوا

کبھی کوئی جانور کسی دوسرے جانور سے نہیں ٹکراتا۔ یہ طریقہ انسان کو بھی اختیار کرنا ہے۔ اس دنیا میں انسان کو اپنے قول و فعل کی آزادی ہے مگر اس آزادی کا استعمال صرف امن کے دائرہ کے لیے ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ دنیا میں قیام امن اور پر امن ماحول کے لیے ہر مذہب کے ماننے والے کو جارحیت کے دائرہ میں داخل ہونے سے مکمل طور پر احتراز کرنا چاہیے۔ وہ جارحیت سے پرہیز کے اصول کو ایک لفظ میں اصول اعراض (principle of avoidance) کا نام دیتے ہیں۔

قرآن میں ایک اصولی حکم یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ دوسری جگہ اس طرح اعلان کیا گیا ہے کہ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں آپ ﷺ نے ایک ڈیکلریشن جاری کیا۔ اس میں دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین ہو گا اور یہود کے لیے یہود کا دین۔

قرآن میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا کہ:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم[9]

"اللہ کے سوا جن کو لوگ پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو ورنہ وہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔"

مولانا وحید الدین خانؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہر اس کارروائی سے بچو جو ایک مذہبی گروہ اور دوسرے مذہبی گروہ کے درمیان تلخی پیدا کرنے والی ہو۔ اختلاف کے باوجود اتحاد کی فضا کو برقرار رکھنے کا پورا اہتمام کرو۔ تمہارے آپس کے بیچ خواہ کتنا ہی زیادہ فکری اختلاف ہو مگر باہمی تعلقات کو ہر حال میں احترام کی بنیاد پر قائم کرو۔ فکری اور اعتقادی اختلاف کو عملی ٹکراؤ تک ہرگز نہ جانے دو۔[10]

مولانا وحید الدین خانؒ مذہبی ہم آہنگی کی بنیاد پر قیام امن کے لیے سیرت کے واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنی کتاب ہندوستانی مسلمان میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کے واسطہ سے ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر سے کچھ پہلے نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کے لیے مدینہ آیا۔ اس میں 60 افراد شامل

تھے۔ یہ لوگ مدینہ کی مسجد میں ٹھہرے ان کی آمد کے بعد مدینہ کے علماء یہود بھی وہاں آ گئے۔ اس طرح تین مذہبوں جن میں اسلام، عیسائیت، یہودیت کے ماننے والے موجود تھے سب مسجد کے اندر جمع ہو گئے۔ ان کے درمیان کئی دن تک مذہبی امور پر بحث جاری رہی۔

اسی دوران عیسائیوں کی عبادت کا وقت آ گیا۔ وہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے اور اپنے طریقے مطابق اپنی عبادت کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ وہ جو کر رہے ہیں انھیں کرنے دو۔ چنانچہ انہوں نے مشرق کی سمت میں اپنی عبادت ادا کی۔ مولانا اس اعتراض کو بھی رد کرتے ہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے تو وہ دوسرے مذاہب کی سچائی کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام اپنی سچائی کے ساتھ قیام امن کی ترغیب اور اس کے لیے عملی رواداری کا بھی اسی شدت کے ساتھ حکم دیتا ہے۔ عملی رواداری کی اس شدت کا اندازہ مذکورہ واقعے سے ہو سکتا ہے جس میں غیر مسلموں کو مسجد میں آنے اور اپنی عبادت ادا کرنے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ مولانا لکھتے ہیں:

> یہ اصول خود پیغمبر ﷺ کی سنت سے ثابت ہے تاہم اب اس میں مکہ اور مدینہ کی مسجدیں شامل نہیں ہوں گی۔ کیوں کہ پیغمبر ﷺ نے بعد میں خدا کے حکم سے مکہ اور مدینہ کو حرم قرار دے دیا تھا۔ غیر مسلم حضرات دوسری تمام مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ البتہ حرمین میں ان کو داخل ہونے کی رخصت نہ ہو گی۔ یہ گویا کہ کلیہ میں استثناء کا معاملہ ہے اور کلیہ میں استثناء ہونا ایک معلوم و معروف اصول ہے۔[11]

دیگر نظریات کا رد

مولانا وحید الدین خانؒ کے قیام امن کے واحد اسلامی نظریے کے علاوہ باقی تمام نظریات کا رد کرتے ہیں ۔ مولانا کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہبی فرق و اختلاف ہی تمام فرقہ وارانہ فسادات کی جڑ ہے۔ کسی بھی ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قیام امن صرف اس صورت میں ممکن ہے جب کسی نہ کسی طرح ان مذہبی اختلافات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قیام امن کے لیے دنیا کو کسی نہ کسی طرح یہ باور کرایا جائے کہ تمام مذاہب کی تعلیمات ایک ہیں۔ جیسے مشہور انڈین اسکالر ڈاکٹر بھگوان داس

نے تمام بڑے مذاہب کے مطالعہ کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تمام مذاہب کی تعلیمات ایک ہیں۔

مولانا وحید الدین خانؒ ان نظریات کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منتخب اقتباسات کو لے کر ہر مذہب کو ایک ثابت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مختلف ملکوں کے دساتیر کو لے اور پھر ہر دستور سے کچھ منتخب دفعات کو جمع کر کے ایک کتاب چھاپے اور اس کی بنیاد پر یہ دعوی کرے کہ ہر ملک کا دستور ایک جیسا ہے اور ایک ہی قسم کی دفعات کا مجموعہ ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ اس قسم کا آفاقی دستور کسی مصنف کی خواہش تو ہو سکتا ہے مگر وہ کسی ایک ملک کے لیے بھی قابل قبول نہ ہو گا۔ ہر ملک اس کو شکریہ کے ساتھ رد کر دے گا۔ یہی معاملہ قیام امن کے سلسلے میں اتحاد مذاہب کا ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ بالفرض اگر کسی تدبیر سے تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات کو ایک ثابت کر بھی دیا جائے تب بھی دنیا میں مذہبی اختلاف ختم ہو گا نہ ہی اس بنیاد پر امن قائم سکے گا۔ وہ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب کا ایک تسلیم شدہ ٹیکسٹ ہے مگر اس ٹیکسٹ کی تعبیر میں دوبارہ اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور ایک مذہبی ٹیکسٹ خود داخلی طور پر کئی مذہبی فرقے وجود میں لانے کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لیے ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ اختلاف یا فرق صرف مذہب کی بات نہیں بلکہ پوری کائنات فرق اور تنوع کے اصول پر قائم ہے۔ جب فرق واختلاف نیچر کا ایک لازمی قانون ہو تو مذہب اس سے مستثنیٰ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہمیں نیچر کے اس لازمی اصول کو سمجھنا چاہئے اور مذہب اور قیام امن کے معاملہ میں بھی اسے اختیار کرنا چاہئے۔[12]

اسی طرح مولانا ان مفکرین پر بھی نقد کرتے ہیں جن کا نکتہ نظر یہ ہے کہ کلچر کا اختلاف بھی قیام امن اور مذہبی ہم آہنگی میں اہم رکاوٹ ہے۔ ان مفکرین کے نزدیک اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ کلچر کے نام پر جو اختلافات سماج میں پائے جاتے ہیں ان کو یکسر مٹا دیا جائے اور ایسا سماج قائم کیا جائے جس کے اندر کلچرل یونٹی ہو۔ مولانا کے نزدیک یہ تجویز بھی سراسر غیر عملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کلچر نہ کسی کے بنانے سے بنتا ہے اور نہ کسی کے مٹانے سے مٹتا ہے کلچر ہمیشہ تاریخی عوامل کے تحت لمبی مدت میں پروان چڑھتا ہے، کسی دفتر میں بیٹھ کر کلچر کا نقشہ نہیں بنایا جا سکتا۔

مولانا کہتے ہیں کہ کلچر کا اختلاف دو گروہوں کے درمیان اختلاف کا معاملہ نہیں ہے بلکہ خود ایک گروہ کے اندر بھی یہ اختلاف پایا جاسکتا ہے اوراس داخلی اختلاف کی مثالیں ہر گروہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس لیے قیام امن کے لیے مختلف مذاہب یا مختلف کلچر ز میں اتحاد اور ہم آہنگی لانے کے ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل مذاہب اور اہل کلچر کے اندر وہ سوچ پیدا کی جائے جس کو جیو اور جینے دو کہا جاتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ یہ تمام تجربات تاریخ میں دہرائے جاچکے ہیں مگر آج پھر کچھ لوگ اس ناکام تجربہ کو دہرانا چاہتے ہیں۔[13]

سوشل ری انجینئرنگ کے تحت یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مختلف گروہوں میں کلچر کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے اس کی دوبارہ تشکیل کی جائے اور ایسا سماج بنایا جائے جس میں کلچر کا فرق ختم کر دیا گیا ہو اور ملک کے تمام لوگ ایک ہی مشترک کلچر کے تحت زندگی گزاریں۔ مولانا کہتے ہیں کہ یکساں کلچر بنانے کے کام کو جو بھی نام دیا جائے، نتیجہ بہر حال سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اس کو خواہ سوشل ری انجینئرنگ کہا جائے یا کلچرل نیشنلزم یہ بہر حال نا قابل عمل ہے۔ جو چیز فطری قوانین کے مطابق سرے سے قابل عمل ہی نہ ہو اس کو اپنے عمل کا نشانہ بنانا صرف اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ مولانا اپنا نکتہ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس معاملہ میں میرا اختلاف نظریاتی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ عملی بنیاد پر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ غلط ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ نا قابل عمل ہے۔ اگر بالفرض ایسا ممکن ہوتا کہ پورے ملک کی ایک زبان ایک کلچر، رہن سہن کا ایک طریقہ بن جائے تو میں کہتا کہ ضرور ایسا کرنا چاہئے۔ مگر فطرت اور تاریخ کے قوانین کے اعتبار سے ایسی یکسانیت ممکن ہی نہیں۔ نہ کبھی وہ ماضی میں ممکن ہوئی ہے اور نہ وہ مستقبل میں ممکن ہو سکتی ہے۔ کلچر ہمیشہ خود اپنے قوانین کے تحت بنتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ کسی دفتر میں کلچر کا ایک خود پسند نقشہ بنایا جائے اور اس کو ملک کے تمام گروہوں میں رائج کر دیا جائے۔[14]

مولانا وحید الدین خانؒ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف رواداری کے اصول کی بنیاد پر اپنا مسئلہ حل کرنا چاہئے۔ ہمیں حقیقت واقعہ سے ہم آہنگی کا طریقہ اختیار کر کے اس سے نپٹنا چاہئے۔ ہندوستان میں قیام امن کے حوالے سے مولانا ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہندو انڈیا میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے

ان کی وفاداری کے مراکز اسی ملک میں ہیں لیکن مسلمانوں کے اعتقادی مراکز مکہ اور مدینہ باہر ہیں اس لیے مسلمان کبھی اس ملک سے وفادار نہیں ہو سکتے۔ مولانا اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ انسانی مسئلہ ہے اور اس کا تعلق ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے۔ لکھتے ہیں:

> اگر ایک ہندو سومناتھ کے مندر سے عقیدت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اجودھیا کے مندر کا عقیدت مند نہیں ہو سکتا۔ ایک ہندو کے دل میں اگر ماں کی محبت ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا دل باپ کی محبت سے خالی ہے۔ یہی معاملہ مسلمانوں کا بھی ہے۔ مسلمان اگر مکہ و مدینہ سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو اپنے وطن انڈیا سے قلبی لگاؤ نہیں ہو گا۔ اس قسم کی سوچ انسان کی کم ظرفی اور چھوٹے پن کو ظاہر کرتی ہے۔ کوئی شخص ہندو ہو یا مسلمان دونوں صورتوں میں وہ فطرت کا ایک مظہر ہے اور فطرت نے جو انسان پیدا کیا ہے اس کے اندر اتنی وسعت موجود ہے کہ وہ بیک وقت کئی محبتوں اور وفاداریوں کو یکساں طور پر اپنے دل میں جگہ دے۔[15]

قیام امن میں تہواروں کا کردار

کسی بھی سماج میں قیام امن اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے میں تہوار بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تہوار کسی بھی سماج میں اجتماعی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ یہ انسانی خوشی کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر عصر میں تہواروں کا رواج کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا رہا ہے۔

تہواروں کی نوبت اس لیے آتی ہے کہ عام حالات میں لوگ اپنی روزمرہ ذمہ داریوں میں مصروف رہتے ہیں اور انہیں ذہنی سکون میسر آنے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ خاندان کے لوگ اور رشتہ دار نوکری اور کاروبار کے سلسلے میں دور دراز مقیم ہوتے ہیں۔ ان تہواروں کی برکت سے لوگوں کو اجتماعی میل ملاقات کا موقع مل جاتا ہے اور ذہنی سکون کی صورت بھی میسر آجاتی ہے۔ تہوار منانے کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی بستی یا شہر کے لوگ آپس میں میل ملاقات کرتے ہیں۔ آپس میں کھلے طور پر ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک

ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ہر انسان کسی نہ کسی ذہنی دباؤ میں مبتلا رہتا ہے۔ انسان نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تھکاوٹ کا احساس اس سے الگ ہے۔ ایسی صورتحال نے ہر قوم اور سماج کے لیے تہوار کو ایک بنیادی اور فطری ضرورت بنادیا ہے۔

تہوار منانے کا یہ رواج ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔ ہر قوم اور ملک کے تہوار کسی خاصی قومی دن یا کسی یاد گار واقعے کی بنیاد پر رکھے جاتے ہیں۔ ہر قوم اپنے انہی تاریخی دنوں میں تہوار مناتی ہے۔ عموماً سال کے آخری دنوں میں یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔ ہر قوم اور ملک کا تہوار منانے کا اپنا الگ طریقہ ہوتا ہے۔ عموماً تہواروں پر کھانے پینے کا اہتمام کیا جاتا ہے، نئے کپڑوں اور خواتین جیولری کا انتخاب کرتی ہیں، بچے کھیل کود کرتے اور تفریحی سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ان تہواروں میں لوگ عموماً سماجی روایات کو توڑ کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ بچے بوڑھے سب ان میں اہتمام سے شریک ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی سال میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے نام سے دو تہوار مناتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ دونوں دن خوشی کے اظہار کے دن ہیں۔ مکہ میں کوئی باقاعدہ اسلامی ریاست یا اسلامی سماج وجود میں نہیں آیا تھا اس لیے مکہ میں ان تہواروں کو منانے کا رواج نہیں تھا۔

جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ پہلے سے رائج دو تہواروں کو مناتے ہیں۔ آپ نے اہل مدینہ سے پوچھا کہ آپ کے یہ دو دن کیا ہیں؟ آپ کو بتایا گیا کہ مدینہ میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ لوگ ان دو دنوں کو مناتے اور ان دنوں میں کھیل کود کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو ان کے بدلے زیادہ بہتر دن عطا کیے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ گویا عیدین کے یہ دن قدیم روایتی تہواروں کی اسلامائزیشن ہیں۔[16]

تہوار کسی مشترک سماج میں قیام امن اور لوگوں میں اجتماعیت اور یکجہتی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سماج میں رہائش پذیر ایک گروہ دوسرے کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور دوسرا گروہ اسے اپنی خوشیوں میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ اس طرح سماج کے مختلف حصے ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور سماج میں امن کے قیام کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف ہے کہ ان تہواروں کا تعلق مذہب کی بجائے روایت اور سماج سے ہوتا ہے۔ تہواروں کا ایک حصہ تہوار منانے والے گروہ کے عقیدے اور تاریخ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دوسرا حصہ عمومی ہوتا ہے جو صرف مذکورہ گروہ کی دلچسپی کا محور نہیں ہوتا بلکہ وہ پورے سماج اور پوری انسانیت کے لیے تفریح کا باعث ہوتا ہے۔

مثلا عیدین کے موقع پر جو تہوار منایا جاتا ہے اس کا تعلق مسلم عقیدے سے ہے۔ بایں طور کہ یہ تہوار مسلمانوں کے عقیدے کا حصہ ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ان تہواروں کے موقع پر جو شیرینی، کھانے پینے کا اہتمام ہوتا ہے اس کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ روایت، سماج اور تمام انسانوں سے ہوتا ہے۔[17]

تہواروں میں عقیدے سے ہٹ کر جو چیزیں ہوتی ہیں وہ باہمی میل جول کا باعث اور عالمی ہوتی ہیں۔ وہ گروہی یا کسی خاص مسلک یا عقیدے کے لوگوں سے وابستہ نہیں ہوتی۔ مثلا دیوالی کے موقع پر ہندو لکشمی کی پوجا کرتے ہیں اور یہ ان کے عقیدے کا حصہ ہے مگر اس موقع پر گھروں کی صفائی وغیرہ کرنا یہ سماجی روایت اور ہر انسان کی دلچسپی کا باعث ہے۔ اسی استدلال کو بنیاد بناتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کہ عید کا مطلب صرف مسلم تہوار نہیں بلکہ وہ انسانی تہوار ہے۔ وہ سمٹاؤ یا محدودیت کا پیغام نہیں بلکہ آفاقیت یا پھیلاؤ کا پیغام ہے۔ عید الفطر کا آغاز آسمان پر نئے چاند کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ عید ایک آفاقی تہوار ہے۔ اس کا تعلق تمام دنیا سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے ہے۔ عید کے موقعہ پر تمام چھوٹے بڑے مسلمان اپنے گھروں سے نکلتے ہیں، اس سے دوسرے مذہب والوں کے ساتھ انٹر یکشن بڑھتا ہے اور ان کے ساتھ میل ملاپ سے امن، اتحاد، ہم آہنگی اور رواداری کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح کی سرگرمیوں سے دور جدید میں پر امن ماحول قائم کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ

امن بلا تفریق مذہب ہر انسان کی خواہش ہے۔ ہر مذہب کا ماننے والا اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ وہ جہاں رہ رہا ہے اسے وہاں امن کا ماحول میسر ہو۔ پر امن ماحول اور امن کا قیام دور جدید کا اہم مسئلہ ہے۔ پر امن دنیا کا بہت گہرا تعلق بین المذاہب ہم آہنگی سے ہے۔ دور جدید کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے ک مختلف مذاہب کے مابین ہم آہنگی کا کوئی قابل عمل فارمولا دریافت کیا جائے۔ بین المذاہب ہم آہنگی پر ہی بڑی حد تک عالمی امن کا انحصار ہے۔

مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف ہے کہ دنیا میں امن کا ماحول قائم کرنے کے لیے عموما تین نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔ سیکولر نظریہ، وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلامی نظریہ۔ سیکولر نظریہ یقینی طور پر نا قابل عمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے ہمیں مذہب کی نئ تعبیر ماننے پڑے گی اور اہل مذاہب نے اس نئ تعبیر کو قبول ہی نہیں کیا۔ جس تشریح کو اہل مذاہب ماننے کے لیے تیار نہ ہوں اس کو عملی طور پر کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ وحدت ادیان کا نظریہ اس لیے قابل عمل نہیں کہ انسانی تاریخ کا علمی اور تاریخی مطالعہ بتاتا ہے کہ

مذاہب کا باہمی فرق محض ظاہری نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ مثلاً بعض مذاہب توحید الٰہ (monotheism) کے قائل ہیں اور بعض مذاہب وحدت وجود (monism) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس تجویز کو فطرت قبول نہ کرے اس کو ہم زبردستی سماج پر نافذ کر کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

سیکولر نظریے اور وحدت ادیان کے نظریے کی ناکامی کے بعد لا محالہ اسلام کا نظریہ امن بچتا ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیا میں قیام امن کا اصل حل یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب پر قائم رہنے کے ساتھ دوسرے مذاہب کا احترام کریں۔ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کو چھوڑے نہیں اور دوسرے کے مذہب کو چھیڑے نہیں یعنی اختلاف پر اتفاق کر لیا جائے۔ مولانا کے نزدیک تہوار بھی پر امن سماج کے قیام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تہواروں کا تعلق مذہب کی بجائے روایت اور سماج سے ہوتا ہے۔ تہواروں کا ایک حصہ تہوار منانے والے گروہ کے عقیدے اور تاریخ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دوسرا حصہ عمومی ہوتا ہے جو پورے سماج اور پوری انسانیت کے لیے تفریح کا باعث ہوتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] وحید الدین خان، **ہندوستانی مسلمان**(نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 1998ء)، 122

Waḥid-ud-Din Khan, Hindostāni Muslmān, (New Dahli, Maktaba Alrisala,1998،),122

[2] وحید الدین خانؒ، امن عالم (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2007ء)، 118

Waḥid-ud-Din Khan, Amn-e- Alm (New Dahli, Maktaba Alrisala2007), 118

[3] وحید الدین خانؒ، امن عالم، 123

Waḥid-ud-Din Khan, Amn-e- Alm, 123

[4] وحید الدین خان، **ہندوستانی مسلمان**، 124

Waḥid-ud-Din Khan, Hindostāni Muslmān , 124

[5] ایضاً، 125

Aiḍān,125

[6] وحید الدین خانؒ، نشری تقریریں(نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2013ء)، 237

Waḥid-ud-Din Khan, Nashri Taqreern, (New Dahli, Maktaba Alrisala2013), 237

[7] ایضاً۔

Aiḍān

[8] وحید الدین خانؒ، امن عالم، 115

Waḥid-ud-Din Khan, Amn-e- Alm, 115

[9] الانعام 108:6

Al-Anām 108:6

[10] وحید الدین خان، **ہندوستانی مسلمان**، 127

Waḥid-ud-Din Khan, Hindostāni Muslmān , 127

[11] وحید الدین خانؒ، امن عالم، 145

Waḥid-ud-Din Khan, Amn-e- Alm, 145

[12] ایضا، 146

Aiḍān, 146

[13] ایضا، 147

Aiḍān, 147

[14] وحید الدین خانؒ، نشری تقریریں (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2013ء)، 198

Waḥid-ud-Din Khan, Nashri Taqreern, 198

[15] وحید الدین خانؒ، فسادات کا مسئلہ (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 1986ء)، 202

Waḥid-ud-Din Khan, Fsādāt Kā Masla,(New Dahli, Maktaba Alrisala1986), 202

[16] وحید الدین خان، **نشری تقریریں**، 49

Waḥid-ud-Din Khan, Nashri Taqreern, 49

[17] ایضا، 50

Aiḍān, 50